© rasailojaraid.com

پانچ سال سے سرتوڑ کوشش میں ہے کہ واپس کیسے آیا جائے اور بھارت میں اب تمام پالیسی ساز اداروں نے گھنٹی بجادی ہے، وہ کہتے ہیں کہ بھارت سائنس کے میدان میں نقلچی بن کر ابھر رہا ہے، ہر سال 22 کروڑ بچے اسکول میں داخل ہوتے ہیں اور 40 لاکھ سے بھی کم گریجویٹ بن پاتے ہیں، دنیا میں جن ممالک میں سو فیصد شرح خواندگی ہے، وہ سب کے سب اپنی قومی زبان میں تعلیم دیتے ہیں، گورنمنٹ کالج لاہور کے پہلے پرنسپل لائیٹنر نے پنجاب کی تعلیمی حالت پر تقریباً تین ہزار صفحات پر مشتمل رپورٹ لکھی، اس کا لب لباب یہ ہے کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے یہاں سو فیصد شرح خواندگی تھی اور یہی حال سندھ اور خیبر پختونخوا کا تھا، لیکن انگریز کے جانے تک ہماری شرح خواندگی گر کر گیارہ فیصد تک آ گئی تھی، انگریز اور انگریزی کے مدح خواں اس قوم سے اور کتنا انتظام لینا چاہتے ہیں؟

☆......☆......☆

کالم نگاروں کی خدمت میں

آج کے پیشہ ور کالم نگاروں کو گزشتہ صدیوں کے درباری شاعروں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے، ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں اس وقت کوئی ڈیڑھ سو کے قریب کالم روزانہ شائع ہوتے ہیں، لیکن ایسے کالم نگار گنتی کے چند ہی ہیں جو فکر ونظر کو نئے زاویے بخشتے ہوں اور جو کسی بلند مقصد کے تحت کالم نگاری کرتے ہوں......

ایک صاحب ریاست نواب نے مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار ''الہلال'' پڑھ کر اس کی امداد کی ضرورت محسوس کی، ایک چیک مولانا کے نام ارسال کیا اور ہر ماہ اتنی رقم کے تعاون کا وعدہ کیا، مولانا نے اس کا جو جواب دیا، وہ ہر لکھنے والے کے لیے قابل عبرت بھی اور باعث تقلید بھی ہے، مولانا نے اپنے مخصوص الہلالی اسلوب میں لکھا:

''اس سے میری رائے اور میرا ضمیر خریدنا مقصود ہو تو باادب عرض یہ کہ ان خزف ریزہ ہائے کی طلائی کی تو کیا قیمت ہے، کوہ نور اور تختِ طاؤس کی قیمت بھی جمع کر لیجیے جب بھی وہ مع آپ کی پوری ریاست کے اس کی قیمت کے آگے ہیچ ہے، یقین کیجیے کہ اس کو سوائے شہنشاہ حقیقی کے کوئی نہیں خرید سکتا اور وہ ایک بار خرید چکا......'' جو اخبار نویس، رئیسوں کی فیاضیوں، امیروں کے عطیوں کو قومی اعانت، قومی عطیہ اور اسی طرح کے فرضی ناموں سے قبول کر لیتے ہیں، وہ بہ نسبت اس کے کہ اپنے ضمیر اور نورِ ایمان کو بے چین کریں، بہتر یہ ہے کہ وہ دیوزہ گری کی جھولی گلے میں ڈال کر رئیسوں کی ڈیوڑھیوں پر گشت لگائیں......'' (داستان کہتے کہتے: ص۱۴)

© rasailojaraid.com